© rasailojaraid.com

قرآن کو "انسانِ اول" کے حالات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں "عام انسان" اور "انسانِ اول" دونوں کے متعلق سوالات اہم اور غیر اہم ہونے میں باہم بالکل مختلف ہیں۔ جو سوالات عام آدمیوں کے متعلق اہمیت رکھتے ہیں اور اتنی اہمیت کہ اگر ان کے جوابات نہ معلوم ہوں تو اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم کو اس شخصیت کے متعلق کسی قسم کا علم نہیں ہے وہی سوالات "انسان اول" کے متعلق محض غیر اہم ہو کر رہ جاتے ہیں یعنی کب اور کہاں؟ پیدا ہونے کا سوال۔

اور جو سوال انسانِ اول کے متعلق اہم ہے اور اتنا اہم ہے کہ اگر وہ نہ معلوم ہو تو نہ صرف "انسان اول" ہی ہمارے لئے ایک مجہول حقیقت بن کر رہ جاتا ہے بلکہ پوری نسلِ انسانی اور نہ صرف نسلِ انسانی بلکہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ ساری کائنات اور اس کا منشاءِ وجود ان سب پر اندھیرا چھا جاتا ہے یا دوسرے لفظوں میں "معمہ کائنات" ایک ایسی چیستان بن کر رہ جاتا ہے کہ پھر اس کے سمجھنے کی ہر کوشش اس کے بعد رائیگاں اور بے سود ہو جاتی ہے یعنی یہ سوال کہ انسان اول کس طرح پیدا ہوا! ذکر کرچکا ہوں کہ عام آدمیوں کے متعلق یہ سوال کس درجہ بے قیمت اور ناقابلِ لحاظ ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کی سیرت لکھتے ہوئے جہاں ہر سیرت نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ صاحبِ سیرت کے سنِ ولادت ووفات، مقامِ ولادت وطن ومسکن سے بحث کرے وہیں اس پر یہ بحث کرنا کہ وہ کس طرح پیدا ہوا صرف باپ سے پیدا ہوا یا ماں سے یا ماں باپ دونوں کے تعلقات سے؟ پھر ان تعلقات کی نوعیت کیا ہوئی؟ کس طرح باپ نے اپنے بچے کو اس کی ماں تک منتقل کیا؟ فرض کرو کہ اگر نپولین کی سوانح عمری لکھنے والا ایک باب "نپولین" کے طریقہ پیدائش کے متعلق قائم کرے تو کیا ایسے سیرت نگار کے دماغی توازن پر کوئی اعتماد کر سکتا ہے؟ لیکن جس سوال کا جواب عام انسانوں کی سیرت میں جنون وہذیان بن جاتا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلا انسان اور قرآن

(از جناب مولوی حسین صاحب شور۔ ایم۔ اے (عثمانیہ)

(۲)

لیکن اب آپ دیکھیں علم والوں کو "جو پیغام" امیوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس میں "انسانِ اول" کے مسئلہ کو کس طرح اٹھایا گیا ہے؟ یہ نہیں ہے کہ سوال کی پیچیدگی اور مسئلہ کی مشکلات کو دیکھکر قرآن اس مسئلہ سے دامن کشاں گذر گیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے کے بعد انسان کے دل پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان میں ایک اثر اسی مسئلہ کے متعلق پیدا ہوتا ہے قرآن نے جس شد و مد سے تکرار اور اعادہ کے ساتھ اس مسئلہ کو شروع کتاب سے لیکر آخر تک بیان کیا ہے دنیا کی کسی آسمانی کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شاید ہی کوئی بڑی سورت اس کتاب کی ایسی ہوگی جس میں "انسانِ اول" کے متعلق ایک دو آیت نہیں بلکہ ایک ایک دو دو رکوع نہ ملیں لیکن باوجود اس تفصیل و تشریح کے کیا قرآن نے بھی اس مسئلہ کے ہر اہم اور غیر اہم ضروری غیر ضروری با کار بیکار تمام سوالات کو اٹھایا ہی جیسا کہ اس سے پیشتر کی کتابوں میں نظر آتا ہے؟۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف قرآن چاہتا ہے کہ نسلِ آدم کے ہر فرد کے دل میں "انسانِ اول" کی پوری اور کامل تصویر اتار دے لیکن صرف اسی حد تک جس حد تک کہ ہم کو اس تصویر کے متعلق خود اپنے لئے اپنی حقیقت پہچاننے کیلئے اور صفِ ہستی میں اپنا مقام متعین کرنے کیلئے درکار ہے لیکن جونہی اس نقطۂ نظر کے سوا کسی غیر ضروری سوال کی حد شروع ہوتی ہے تو پھر وہی قرآن جو قصۂ آدم کا شاید تمام کتابی ذخیروں میں سب سے بڑا منادی ہے خاموش ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی اس کی تعبیر دل سے کرتا ہے بلکہ اس کو شائد کبھی جان اور کبھی روح کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے ہیں اور جس کا زیادہ سے زیادہ پتہ یہ دیا جا سکتا ہے کہ۔

"انسانی وجود کا وہ مرکزی نقطۂ شعور جس کے ساتھ یہ سارا جسمانی نظام وابستہ ہے یعنی صرف ایک اس "شعوری نقطہ" کی حفاظت کے لئے اگر ضرورت ہوتی ہے تو لمبے پاؤں اور اس کی مضبوط ہڈیاں کاٹ کر پھینک دی جاتی ہیں ہاتھ سے ہاتھ دہونا پڑے تو دھو دیا جاتا ہے، کان کٹوانے پڑیں تو کٹوا دیئے جاتے ہیں"

الغرض جتنے بڑے ہیں سب اس چھوٹے ہی کیلئے سمجھے جاتے ہیں اور سب اس پر قربان ہو سکتے ہیں، بہرحال جن کی نگاہوں میں صرف جسامتِ طول وعرض کی قیمت ہے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ کائنات کے اس طویل وعریض سلسلہ میں انسانی وجود کو ایک پرِکاہ سے زیادہ وقعت دیں۔ لیکن جو "قامت" کی کمتری کو "قیمت" کی بہترین دلیل گردانتے ہیں، یا یوں کہو جو بجائے کمیت کے کیفیت سے ہر چیز کا مقام دریافت کرتے ہیں وہ ساڑھے تین ہاتھ کے اس مضعف گوشت کی تسخیری قوت کا جب اندازہ کرتے ہیں تو ہاتھیوں کو اس کی ٹانگوں کے نیچے سر جھکائے چلتا ہوا دیکھتے ہیں سانڈوں کے نتھنوں میں ڈوری ڈال کر جس وقت یہ گھسیٹتا ہے اونٹوں کو اشاروں سے ہنکاتا ہے بحر و بر اور ان کی تمام پیداوار پر اس کو قابو یافتہ پاتے ہیں تو یقیناً ان کی نگاہ میں اس کے ٹھوس وجود کے آگے سارے سیارے اور ستارے آفتاب و ماہتاب، سمندر کے کوہ پیکر جھاگوں کی کھوکھلی ہستیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

الحاصل سب اس کیلئے ہیں۔ یا یہ ان سب کیلئے ہے اجب تک ان دو احتمالوں اور شقوں میں سے ایک احتمال اور شق کو یقینی شکل میں طے نہ کر لیا جائے اس وقت تک خود انسانیت کی کوئی قیمت معین نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک اس کی قیمت معین نہ ہوگی اس وقت تک اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سوال کا جواب انسانِ اول کی سیرت وحالات کے ذیل میں تمام مباحث کی جان اور تمام تحقیق کی روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔

آخر ایک طرف تو یہ نظر آتا ہے کہ ہستی کے بحرِ مواج میں اولاً بچاری یہ زمین ان تمام سیاروں اور ستاروں اجرامِ علوی وسفلی کے پہلو میں ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی گویا وجود کے رخ کا یہ ایک ایسا تل ہے کہ اگر سارے عالم اور اس کے طول وعرض کو زمین کے سامنے رکھ لیا جائے تو شائد اس پر نظر کرنے والوں کی نظر پڑے بھی یا نہ پڑے۔ پھر اس زمین کا وہ حصہ جو پانی سے باہر ہو کر انسانی بود و باش کے قابل بنا ہے اور اس حصہ میں بھی اس کی صرف بالائی سطح جو آدمی کا مسکن ہے اس سطح پر سپہر پیما پہاڑوں تناور درختوں فیل پیکر حیوانوں درندوں، چرندوں، پرندوں، حشرات الارض وغیرہ کے جھمیلے میں انسانوں کا بھی ایک گروہ نظر آتا ہے اور وہ بھی اس شکل میں کہ سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ کمزور سب سے زیادہ قدرتی ہتھیاروں سے مفلس اور اس پر لطف یہ ہے کہ سب سے زیادہ محتاج ہر معمولی تغیر وانقلاب میں اس کی موت وحیات کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے ایسا معذور کہ تین چار منٹ بھی وہ زمین کی جنبش اور لرزہ کو برداشت نہیں کر سکتا معمولی طوفانی ہواؤں یا سیلابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

گویا وہ وجود کے اس بحرِ ذخار کے تنکوں کے آخری سالمہ کی حیثیت رکھتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس ہستی کا تعلق عالم کے عریض وطویل سلسلہ سے کیا ہے؟ کیا جسدِ کائنات میں اس کی حیثیت اس بال اور روئیں کی ہے جو کسی لمبے چوڑے بدن پر اگتا بھی ہے اور اپنی عمر کی مدت پوری کر کے ٹوٹ جاتا ہے؟ یا اس چھوٹے کا اس بڑے عالم میں وہ مقام ہے جو لمبے لمبے ہاتھوں چوڑے چوڑے سینوں طویل اور دراز ٹانگوں موٹی موٹی توندوں کے مقابلے میں جسدِ انسانی کے اندر اس جرمِ صغیر اور نقطۂ حقیر کو حاصل ہے جس کا مختلف زبانوں میں مختلف نام ہے کوئی اُسے قلب کہتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلہ میں بلکہ ہر ایسے مسئلہ میں جس کا علم انسان کے ان عام علمی ذرائع سے نہیں ہو سکتا جو کہ دیگر حواس اور بتوسط حواس عقل پر ختم ہو جاتے ہیں ۔اپنی عاجزی کا اقرار کر لیتا ہے ۔

ان مسائل میں بہلا۔ اس قسم کی روبہ بازیوں سے کہ "ہم نہیں جانتے ہیں" "نہیں جان سکتے ہیں"۔ اور جس چیز کو ہم نہیں جانتے کوئی نہیں جان سکتا وہ بھی نہیں جان سکتے جو ہم سے زیادہ اپنے پاس علم کے ذرائع رکھتے ہوں لیکن اس کے ساتھ جس چیز کو ہم نہیں جان سکتے ہیں ہم انھیں جانتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ سائنس کی روشنی میں جانتے ہیں۔ علم کی رہنمائی میں جانتے ہیں کیا حاصل؟

اس قسم کی علمی قلابازیوں کے چکر میں پھنس کر صرف شک واحتمال تذبذب وریب کے انگاروں پر کون مدت العمر لوٹ سکتا ہے۔ مغرب کو آج پتہ چلا ہے کہ ایسی باتوں تک عقل کی رسائی نہیں یگر بحمداللہ مشرق تاریخ کے لامحدود زمانہ سے اس کا علم رکھتا ہے اور اس لئے آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے وہ بجائے عقل وحواس کے ان مسائل میں علم کے کسی جدید اور بالاتر ذریعہ کی تلاش میں مصروف رہا۔ اور جس قدرت نے ہر جستجو کے لئے یافت رکھا ہے، ہر پیاس کیلئے پانی پیدا کیا ہے ہر بھوک کو اس کی روٹی ملتی ہے علم کی اس پیاس کو بجھانے کیلئے پیغمبروں کی شکل میں عقل وحواس سے بالاتر علم کا ایک جدید ذریعہ عطا فرمایا گیا اور ہم اپنے اس مضمون میں اب جو کچھ کہیں گے اسی جدید علمی ذریعہ (وحی ونبوت) سے حاصل شدہ مواد کی بنیاد پر کہیں گے ۔

شاید اس بحث سے ہم ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں کہ " انسانِ اول " کے متعلق کب؟ کہاں؟ کس طرح؟ پیدا ہوا۔ کے سوالات میں سے کون کون سے سوال اہم ہیں اور کون غیر اہم۔ پھر جس سوال کو اس میں اہمیت حاصل ہے اس کے اسباب ووجوہ کیا ہیں۔ قرآن مجید نے سوالات کے اس سلسلہ میں غیر اہم سوالوں سے کیوں اعراض کیا اور جو سوال ان میں دراصل قابل بحث وتحقیق تھا اس کی تفصیل میں اس نے انتہائی فیاضی سے کیوں کام لیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قرآن کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرائض وحقوق یا اس کے زندگی کا کیا دستورالعمل ہونا چاہئے یعنی انسان کو کس طرح جینا چاہئے اور کس طرح مرنا چاہیے، یہ بھی طے نہیں ہوسکتا اور یہ سارے سوالات اس پر مبنی ہیں کہ پہلے یہ معلوم ہو کہ انسانی وجود کا ظہور اس عالم میں کس طرح ہوا! اور کس لئے ہوا! اگر وہ بھی ان ہی کیڑے مکوڑوں حشرات الارض کی طرح مادہ کی عفونت اور سڑاند سے وجود پذیر ہوا ہے تو اس کی وقعت ان کیڑوں سے قطعاً زیادہ نہیں ہے جو کسی سڑے ہوئے کھاد میں بالآخر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس کی آفرینش عالم کی تمام چیزوں کے مقابلہ میں کسی اور نوعیت سے ہوئی ہے تو سننا چاہئے کہ وہ کیا نوعیت ہے۔ شاید اس ذریعہ سے وہ تمام گرہیں خود بخود کھلتی جائیں گی جو انسانی وجود کے متعلق عقلی طور پر اب تک لاینحل ہیں۔ بہرحال جب یہ محقق ہے کہ۔

"کوئی شخص اپنی پیدائش کا حال خود نہیں جانتا" جب یہ طے شدہ ہے کہ

"ابتدائی آدمی نے خود اپنے حالات کسی کاغذ اور پتھر پر نقش نہیں کئے"

جب یہ مانا جا چکا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی اور بات مانی بھی نہیں جا سکتی کہ کوئی یادگار بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ابتدائے ظہور انسانی کا پتہ چلے۔ جب اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ۔ اس راہ میں (یعنی ابتدائے انسانیت) کی تاریخ معین کرنے کے سلسلہ میں سائنٹسٹ ہو یا فلسفی ریاضی دان ہو یا مورخ، آثار قدیمہ کا ماہر ہو یا طبقات الارض کا عالم کوئی بھی ہو کسی کی کوشش یقینی نتیجہ تک پہنچانے میں بارآور نہیں ہوسکتی تو پھر کیا کیا جائے۔ کیا اس سوراخ میں مسلسل انگلیاں ڈالتے ہی رہنا چاہئے جس سے ہمیشہ ناکامی و نامرادی کے نیش اور ڈنک کے سوا عقلِ انسانی کو کچھ نہ ملسکا۔ جانتے ہیں۔ کہ نہیں جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نہیں جان سکتے ہیں لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اس قسم کی بوالعجبیوں کی گنجائش اگر مغربی باشندوں کے مغز میں ہو تو ہو، لیکن ایک بیچارہ خداپرست مشرقی اپنی معذوریوں اور مجبوریوں کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد نہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آدمؑ سے پہلے بھی زمین پر گوشت اور خون والے لوگ رہتے تھے۔ ورنہ فرشتوں کا یہ بیان کہ وہ "خون بہائے گا" کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے انسانی خون کا وجود ہی نہ تھا اور ظاہر ہے کہ "خون" کا وجود بغیر گوشت کے نہیں ہو سکتا۔

اسی کے ساتھ انھوں نے حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوحات میں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ شیخ ایک دن کعبہ کے طواف میں تھے کہ روحانی طور پر چند مخفی ہستیاں بھی اُن کو سرگرم طواف نظر آئیں۔ ان میں ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

لقد طفتم کما طفنا سنینا — تم اس گھر کا جس طرح طواف کر رہے ہو

بھذا البیت طرا اجمعونا — ہم نے بھی سالہا سال تک اسی طرح سبھوں نے ملکر اسکا طواف کیا ہے

شیخ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا "تم کون ہو؟" جواب میں ایک نے کہا "تمہارے گذشتہ اجداد میں سے ہوں"۔

شیخ فرماتے ہیں کہ "میں نے ان سے پوچھا کہ کتنا زمانہ ہوا کہ تم اس دنیا میں تھے؟

"کچھ اوپر چالیس ہزار سال" اس نے جواب میں کہا۔ شیخ نے فرمایا "آدم کو پیدا ہوئے تو اتنی مدت نہیں ہوئی۔

"تم کس آدمؑ کا ذکر کر رہے ہو؟ کیا یہ جو سب سے زیادہ قریب عہد میں گذرا؟ روح نے کہا۔

شیخ نے فرمایا کہ "یہ سن کر میں بیہوش سا ہو گیا اور مجھے وہ حدیث یاد آئی جس میں ہے کہ

"وہ آدمؑ جو سب کو معلوم ہیں۔ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ ہزار آدم پیدا کر چکا ہے"۔

شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث آنحضرتؐ کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے اور بعضوں نے امام جعفر صادقؓ کا قول قرار دیا ہے۔

لیکن میں نے ایک دفعہ عالم ارواح میں حضرت ادریس علیہ السلام سے اس حدیث کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ "قیمتی سکوت" خود مسلمانوں میں بعضوں کو ایک علمی نقص محسوس ہوا۔ پھر انھوں نے قرآن کی تفسیر میں بعض ایسی روایتوں کا اضافہ کیا جس سے عام مسلمانوں کو یہ مغالطہ پیدا ہو گیا۔ جیسا کہ انجیل و تورات کے محشیوں کی بدولت عیسائیوں کو ہوا تھا کہ شاید آدمؑ کی جائے پیدائش اور زمانہ پیدائش کا تعلق مذہبی روایات سے ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ تفسیری کتابوں میں قرآن کے اس سکوت کو انسانی تصرف نے "تصریح" سے جہاں بدلنا چاہا ہے۔ ان کو اس باب میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کے ذریعہ سے قرآنی معلومات پر اضافہ کیا جا سکتا ہو۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ روایتیں خبر احاد ہونے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تخصیص و تشریح کی صلاحیت نہیں رکھتیں جیسا کہ ائمہ اسلام میں جو زیادہ قابل اعتماد ہستیاں ہیں ان کی رائے ہے۔ بلکہ جیسا کہ علامہ فرید وجدی نے لکھا ہے۔

لم ینص القرآن والسنة الصحیحة	نہ قرآن میں اور نہ کسی صحیح حدیث میں کسی قسم کی
علی شیٔ یختص بتاریخ وجود آدم	صراحت ہے جو زمین پر انسانی وجود کی تاریخ کو
علی الارض وما اورده بعض	کسی خاص زمانہ سے مختص کر دے۔ اور بعض مفسرین
المفسرین من ذلك فماخوذ من	نے جو کچھ اس باب میں ذکر کیا ہے یہ سب یہودیوں
الاسرائیلات۔ (دائرة المعارف)	اور اسرائیلیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔"

بلکہ علامہ ممدوح نے آگے چل کر بیان کیا ہے کہ اگر غیر قرآنی مستندات میں تلاش کیا جائیگا تو معاملہ بالعکس نظر آئیگا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۹۸۸ھ کے ایک عالم علاؤالدین البستوی کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ زمین اور اس کی آبادی کو بہت قدیم قرار دینا چاہتے ہیں (جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغربی شور و غوغا سے بہت پیشتر علماءِ اسلام آغاز انسانی کی عام مشہور تاریخ کے مخالف تھے۔) بستوی نے دعویٰ کیا ہے کہ آدمؑ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لامحدود قوتوں والے خدا کو مان لینے کے بعد مادہ کا ان شکلوں میں نمودار ہونا عقول عامہ کے لئے اگرچہ اپنے اندر دشواری نہیں رکھتا۔ لیکن غور کرنے والا تو یہ سوچتا ہے کہ کاریگر یا صناع جس چیز پر اپنی کاریگری کرتا ہے تو مصنوع میں صناع اپنے کمالات کو منتقل نہیں کرتا بلکہ مصنوعات کے مادہ میں جو قدرتی صلاحیتیں مستور ہوتی ہیں۔ صناع اور کاریگران ہی مخفی کمالات کو ظاہر کر دیتا ہے مثلاً ایک بت تراش کسی پتھر میں اپنے کمالات مثلاً زندگی۔ شنوائی۔ بینائی۔ عقل و فکر وغیرہ صفات منتقل نہیں کرتا بلکہ پتھر میں بت بننے کی جو قدرتی صلاحیت پوشیدہ تھی اس کو منظرِ عام پہ لے آتا ہے بت تراش اس بت میں ایسے کسی جزر کا اضافہ نہیں کر سکتا جس کی صلاحیت پتھر میں نہیں تھی مثلاً اس بت تراش کو بجائے پتھر کے پانی یا ہوا پر اپنی کاریگری دکھانے کا حکم دیا جائے تو کیا وہ اس حکم کی تعمیل کر سکتا ہے؟

الغرض اگر خدا کو مادہ کے ارتقاء میں شریک بھی کر لیا جائے جب بھی کم از کم عقل کیلئے یہ گتھی الجھی ہی رہتی ہے کہ وجود کے ابتدائی درجہ میں جب وہ کمالات جن کا ظہور نباتی حیوانی انسانی شکل میں ہوتا ہے۔ . . . . مثلاً نشوونما کی قوت علم وادراک کی قوت فکر و تعقل کی صلاحیت نہ تھی تو خدا نے یعنی اس کے صانع اور کاریگر نے اس میں ان کمالات کا اضافہ کس طرح کر دیا!

لیکن بہر حال خدا کو مان لینے کے بعد گویا یہ تسلیم کر لینا ہے کہ اب سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا نام ہی اس کا ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے اور اس لئے "خدا" عقل کے لئے ایک ایسا نظریہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی تمام ذہنی کلفتوں اور فکری و تمدغوں سے شفا حاصل کرتی ہے پس اگر یہ مانا جائے کہ ابتداء میں وجود صرف جمادی رنگ میں تھا پھر خدا نے اس میں مثلاً نباتی کمالات کا اضافہ کیا پھر ابتدائی درجہ کے حیوانات کا تا اینکہ انتہائی درجہ کے ایسے حیوانات پیدا ہوئے جن کے دل و دماغ عقل و شعور کا انتہائی نقطہ انسانی دل و دماغ کے ابتدائی حال سے مشابہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توثیق چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ صحیح ہے آخر میں شیخ اکبر نے اپنی رائے یہ درج کی ہے۔

فالتاریخ لبدائتا العالم پس آغازِ عالم کی تاریخ نامعلوم ہو اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ عالم

مجھول مع حدوث العالم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔

بہرحال جب یہ ثابت ہوگیا کہ "انسان اول" کے متعلق اصلی اور اہم سوال نہ کب کا ہے اور نہ کہاں کا۔ بلکہ جیسا کہ قرآن نے زور دیا ہے۔ اس باب میں حقیقی توجہ کا مستحق تخلیقِ انسانیت کی کیفیت ہے یعنی یہ کہ بنی نوع انسانی کا زمین کے اس کرہ پر کس طرح آغاز ہوا۔

یہ کہنا کہ ہر قسم کے کمالات و صفات سے محروم مادہ ارتقائی ہیجانات کی بدولت وجود کے مختلف مراتب کو طے کر کے انسانی منزل تک خود بخود پہنچ گیا ہے یعنی مادہ میں جو کمالات نہ تھے خود بخود مختلف زمانوں میں ان نابود صفات کا اس میں نمود ہونے لگا۔ حق یہ ہے کہ فہم خاص و عام ہر ایک کیلئے یہ ناممکن العقل امر ہے۔ آخر جو کمالات وجود کے ابتدائی مرتبہ میں "نیست مطلق" تھے ارتقائی مدارج میں ان کا خود بخود "ہست" ہو جانا کیا واقعی ہمارے عقلی گرفت میں یہ بات آسکتی ہے! نیست کا ہست ہونا۔ ایسا نظریہ ہے جس کی کوئی نظیر نہ عالم واقعہ و مشاہدہ میں پائی جاتی ہے اور نہ عقلی امکان کے دائرہ میں فطرتِ انسانی اس کے جواز کا فتویٰ دیسکتی ہے اور اگر ارتقاءً اور اضافہ کمالات کے اس سلسلہ میں ہم کسی بیرونی امداد کا نظریہ بھی شریک کردیں اور یہ مانیں کہ مادہ پر خدا کی لامحدود صنعتی قوتوں نے عمل کیا اور اسی کی بدولت کمالات سے مفلس مادہ بتدریج وجود کی مختلف منزلوں میں مختلف کمالات سے بہرہ ور ہوتا ہوا انسانیت کے مقام تک پہنچا تو پھر گویا سیدھے لفظوں میں یوں کہیے کہ خدا نے جمادی وجود کو اپنی کاریگری سے پہلے نباتی پھر حیوانی اور حیوانی سے انسانی شکل تک پہنچایا۔

گویا مادہ کا ارتقائی عروج اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ ربِ قیوم کی ربوبیت اور صناعیت کے زور سے ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ جہاں تک اس قسم کے خیال والوں کے اقوال سے پتہ چلتا ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ان کے سنجیدہ اربابِ فکر کا اصل نظریہ یہ ہے۔

"مسئلہ ارتقا کی رو سے انسان اپنے کم درجہ اور سادہ ساخت کے جانداروں کا خلف الرشید ہے مگر وہ جاندار بھی تھے انسان ہی بندر یا لنگور نہ تھے البتہ طرز زندگی اور قوائے جسمانی و دماغی اتنے مکمل اور قوی نہ تھے اس زمانہ کے بندر اور لنگور بھی آج کل کے سے نہ تھے بلکہ ان سے کم درجہ کے تھے گویا جو فاصلہ ان جانوروں اور انسانوں میں اب ہے اس سے کچھ ہی کم تب بھی موجود تھا۔"[1]

مندرجہ بالا حوالہ کا فقرہ "مگر وہ جاندار بھی تھے انسان بھی" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسئلۂ ارتقاء میں ایک نوع مثلاً انسان کی پیدائش دوسرے نوع مثلاً بندر سے نہیں ہوئی ہے بلکہ ہر نوع اپنی اپنی نوعیتوں میں ابتداء سے اسی طرح جدا جدا تھی جس طرح اب ہیں۔ پھر ہر نوع کے پچھلے افراد اپنے اگلوں سے ترقی پاکر موجودہ حالت تک پہنچے ہیں۔ پس انسان انسان ہی سے پیدا ہوا ہے اور ہوتا رہیگا۔ لیکن ہر پچھلے زمانہ کا انسان ان ارتقاء والوں کے خیال میں اگلے انسانوں سے اپنے کمالات میں برتری حاصل کرتا جارہا ہے اور یہی حال دوسرے حیوانات کا ہے۔

مجھے اس دعوے کی صحت و تسلیم سے بحث نہیں اور جس کی قطعیت کا یقین خود اس کے مدعیوں کو نہ ہو ان بیچاروں پر یہ الزام قائم کرتا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو یہ کوئی قطعی بات نہیں ہوسکتی ہے الزام مالا یلزم ہے بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خالقِ علیم سے علم پاکر جن برگزیدہ نفوس نے "انسانِ اول" کی پیدائش کی صورت بیان کی ہے اس الہامی اور پیغمبرانہ بیان اور اس وسواسی خیال میں کسی حد تک مخالفت اور موافقت ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اصولی طور پر اس حد تک جہاں تک مذہب کی روح کا سوال ہے۔

---

[1] رڈ پاتھ - صفحہ ۱۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ اس قسم کے ترقی یافتہ حیوان کے بعد ابتدائی درجہ کے انسان پیدا ہوئے پھر انسان ایک زمانہ میں اپنے اندر اتنی صلاحیت نہیں رکھتا تھا کہ اس کی زندگی پر "انسانیت" کا قانون نافذ کیا جائے لیکن جب قدرت نے ارتقار کی بلندیوں پر چڑھاتے ہوئے اس کو اس حد پر پہنچا دیا جہاں سے وہ شرائع اور قوانین یا خطابِ الٰہی کے مخاطب بننے کے قابل ہوگیا تو اسی ترقی یافتہ وجود کا نام آدم ہوا اور اس شخص سے خدا کا تعلق بہ نسبت دوسرے حیوانوں کے بدل گیا۔ عام حیوانات نہ مکلف ہیں نہ ان پر کوئی قانون عائد ہوتا ہے نہ وہ قانونِ مجازاۃ ومکافاۃ (سزا جزا) کے اس طریقہ سے مستحق ہیں جس طرح انسان ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تفہیم اس شکل میں کی جائے تو مسئلہ ارتقاء اور شرائع و دیانات کے متفقہ بیان میں کوئی تناقض باقی نہیں رہتا لیکن ان دشواریوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد جو عقلی طور پر اس مسئلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے بغیر جانے کے کہا جا رہا ہے ایک عقلی احتمال اور منطقی شق ہے یہ ہوسکتا ہے وہ ہوسکتا ہے۔ ان ہی میں ایک

"ہوسکنا"

یہ بھی ہے اور دوسری پیچیدگی جو اس کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ وہی ہے جس کا کچھ ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے کہ گو بظاہر مسئلہ ارتقار کی وہ شق جس میں مادہ میں کمالات کا اضافہ بیرونی اعانت یعنی حق تعالیٰ کے ذریعہ سے ہوا۔ اس میں اور اربابِ مذاہب کے خیالات میں کوئی تصادم نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس شق میں جب خدا کو بھی مان ہی لیا گیا پھر "آدم" انسانیت کے اس درجہ کا نام رکھا گیا جہاں سے حیوانی قوت ترقی پاکر خطاب الٰہی اور تکلیف شرعی کی مرجع بنی تو اب مسئلہ کا اور مذاہب کا اس میں کیا اختلاف باقی رہا صرف یہ بات کہ اس میں انسانیت کے درجہ آدمیت کو حیوانی مدارج سے مستخرج قرار دیا گیا ہے گویا ایک طرح سے انسان کو حیوان سے متولد ٹھیرایا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے حد طفولیت میں ہوتا ہے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی گرد و پیش کی چیزوں کو بجائے غیر حساس اور غیر زندہ ہستی کے حساس اور زندہ ہستی سمجھتا ہے ایک بچے کو جب کسی دیوار یا پتھر سے چوٹ لگتی ہے تو اس کو زندہ سمجھ کر بدلہ لیتا ہے اس پر غصہ ہوتا ہے جو لوگ اس کے بدلہ میں دیوار یا زمین کو مارتے ہیں اس سے وہ جذبۂ انتقام میں سکون محسوس کرتا ہے جس کے کھلے ہوئے یہی معنی ہیں کہ لڑکے عموماً اپنے گرد و پیش کے سارے ماحول کو اپنی طرح زندہ سمجھتے ہیں پھر جیسے جیسے عقل بڑھتی ہے زندہ اور جامد حقائق کے متعلق ان میں تمیز پیدا ہوتی ہے اور جس طرح مادیت و روحانیت میں افراد کا عام حال یہ ہے اسی طرح طفولیت کی عقل و دانش پر کثرت کے پیچیدہ گورکھ دھندوں کے بوجھ لادنے کی قطعاً صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ عقلی بساطت کی وجہ سے عام طور پر اس کے ذہن کا رجحان نظریہ بساطت و وحدت ہی کی طرف رہتا ہے۔ اب بھی تجربہ کر کے دیکھ لو ایک لڑکے کو یہ باور کرانا کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ میاں کر رہے ہیں، پانی وہی برساتے ہیں آفتاب وہی نکالتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ زیادہ آسان ہے یا یہ کہ کائنات کے ہر حادثہ کی ایک نئی علت اس کو سمجھائی جائے خواہ وہ علت اور سبب زندہ ہو جسے اصنامی ادبیات میں دیوتا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یا جامد غیر زندہ اسباب جسے مادی سائنس میں علل و اسباب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اُف! ایک بچہ کو یہ سمجھانا کہ بخار اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے اور یہ سمجھانا کہ انسان کے اندر اخلاط ہیں اور ان اخلاط میں کوئی خلط جب متعفن ہو جاتی ہے تو اس سے ابخرات فاسدہ بدن میں اٹھتے ہیں اور اسی کا نام بخار ہے یا یہ کہ جب کوئی خلط متعفن ہو جاتی ہے تو اس میں خاص قسم کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں یا یہ کہ یہی جراثیم اس سڑے ہوئے خلط کی وجہ سے بجائے مرنے کے جسم انسانی میں پرورش پانے لگتے ہیں اور اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ اتنا دراز ہو جاتا ہے کہ جب تک خلط کے مزاج کی تصحیح دواؤں کے ذریعہ سے نہ کی جائے بخار ٹوٹ نہیں سکتا۔

بھلا ڈاکٹروں اور طبیبوں کے ان نکات دقیقہ کا ایک لڑکے کے دماغ کو ہضم کرانا تو درکنار کیا کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میں اور اس نظریہ میں چنداں تعارض نہیں ہے۔ ارتقائی طور پر پیدا ہونے کے بعد بھی آدمی مکلف بالشرائع ہو سکتا ہے اور سزا و جزا کا قانون اس پر عائد ہو سکتا ہے ٹھیک اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک لڑکا جب تک نطفہ، علقہ، مضغہ اور جنین کی حالت میں رہتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی جب وہ انسان بنکر دنیا میں آجاتا ہے وہ شرائع و دیانات کا مکلف اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کی عقل ارتقار کے اس درجہ تک نہیں پہنچ لیتی ہے جس کا نام بلوغ رکھا گیا ہے یا جس کی علامت بلوغ قرار دی گئی ہے۔ شخصی بلوغ سے پہلے باوجود انسان ہونے کے اگر ایک فرد مکلف نہیں قرار دیا جاتا تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے اگر اسی طرح نوعی بلوغ سے پہلے اسی انسان کو مکلف بالشرع نہ مانا جائے لیکن جہاں اصولی طور پر مذہب اور نظریہ ارتقار میں کوئی تخالف نہیں ہے تفصیلی طور پر تخلیق آدم کی جو کیفیت مذاہب میں بیان کی گئی ہے یقیناً اس مذہبی بیان کے بہت سے اجزا نظریہ ارتقار پر منطبق نہیں ہو سکتے مثلاً اس نظریہ میں فرد کی طرح نوع انسانی کے لئے بھی ایسا زمانہ مانا جاتا ہے جب وہ خطابِ الٰہی کی مکلف نہ تھی۔

حالانکہ مذہب نے جو بیان اس باب میں دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی کا پہلا فرد جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں آدمؑ ہے وہ ابتدا ہی سے خدا کے احکام کا مکلف تھا اور اسی بنا پر جب اس نے اور اس کی بیوی نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی ان پر عتابِ الٰہی ہوا۔ یا مثلاً ارتقائی نظریہ سے یہ نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اپنی عقلی پستی کی وجہ سے انسان کا ابتدائی مذہبی عقیدہ شرک تھا اور توحید ارتقار کی پیداوار ہے اگرچہ اس نظریہ کی بنیاد پر کہ

"ہر فرد اپنی نوع کا ایک مختصر نمونہ ہے"

اگر صرف قیاس آرائی پر مذہبی تاریخ مدون کی جائے تو اس وقت بھی بجائے کثرت کے وحدت اور بجائے مادیت کے روحانیت ہی انسان کا ابتدائی خیال قرار پا سکتا ہے۔ آخر ایک فرد جب وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالم ہیں ظہور ونمود میں کیڑے مکوڑے حشرات نباتات حیوانات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں انسان بھی زمین پر چلنے والے یا رینگنے والے دواب کے مانند ہو جاتا ہے ایک طرف اس نظریہ کا دل پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ عالم ہو یا جاہل، مادی ہو یا روحانی، خدا پرست ہو یا مادہ پرست ہر ایک کا ایک متفقہ جذبہ اور ایسا سخت جذبہ ہے جس کو کوئی قوت دبا نہیں سکتی، جو اس وقت ابھرتا ہے جب انسان کی قیمت کا سوال اٹھتا ہے۔ ایک آدمی کے لئے اگر ہزارہا کیڑوں لاکھوں کتوں اور کروروں جانوروں کے قربان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہم میں نہ صرف اس کے جواز بلکہ فرض ہونے کا فتویٰ تقریباً ہر ایک آدمی دیتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی آدمی کی ایک آنکھ کے بچانے کے لئے جانوروں کی دس ہزار آنکھوں کی پھوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تو فراخ حوصلگی سے ہر ایک اس کو جائز قرار دیتا ہے۔ امیر جو ہوتے ہیں وہ اپنے روپیوں سے ایسے حیوانوں کو خرید کر کے کام نکالتے ہیں اور غربا کے لئے شفاخانوں ہسپتالوں میں لاکھوں کروروں روپے کی خیرات اسی لئے دی جاتی ہے کہ انسانوں کے بچانے کیلئے جس قسم کی چیزوں کی قربانی کی ضرورت ہو، خواہ حیوانی دوا ہو یا نباتی وہ دی جائے۔

حالانکہ اگر انسان بھی زمین کے حشرات کا ایک حشرہ ہے اور یہ بھی قدرت کے جوشِ تخلیق کی اسی قسم کی ایک موج ہے جیسے دوسرے دواب وحیوانات ہیں تو انسانی خون کے ایک قطرہ کے بدلہ میں ہزارہا کھٹمل کیوں مارے جاتے ہیں کھٹملوں کے قتل کے معاوضہ میں آدمؑ کے بچوں پھر قصاص کی کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟

آسمان وزمین سیارات سفلیات وعلویات کے اس بحرِ ذخار میں کہہ چکا ہوں کہ اولاً اس زمین ہی کی کیا حقیقت ہے پھر زمین میں بھی اس کا حصہ مسکوں میں سے صرف اس کی سطح ظاہر کائنات کی لامحدود وسعتوں کے مقابلہ میں اس سطح کی ایک مخلوق انسان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لڑکا اپنے اندر اس کو اتار بھی سکتا ہے اور وہ بیچارہ ان دقائق کو کیا سمجھ سکتا ہے جبکہ بوڑھے بوڑھے اطبا اور ڈاکٹر ہزار ہا سال کے تجربات کے بعد بھی اب تک نہ سمجھ سکے کہ قانونِ کثرت کی رو سے صرف ایک بخار میں کیا ہوتا ہے حالانکہ شائد تمام بیماریوں میں سب سے زیادہ عام بیماری یہی ہے اور جس طرح "کثرت" کا یہ مادی نظام ایک لڑکے کے دماغ میں اثر نہیں کرسکتا اسی طرح کیا بجائے "وحدت" کے "کثرت" کے معتقدین کسی بچہ کو یہ سمجھا سکتے ہیں کہ فلاں دیوی جس کا فلاں دیوتا شوہر ہے جبکی قیام گاہ فلاں پہاڑ کی فلاں چوٹی پر ہے جب کسی انسان سے وہ دیوی خفا ہو جاتی ہے تو کسی شکل میں وہ مریض کے جسم پر اثر ڈالتی ہے اور اس اثر کا نتیجہ بخار ہے۔

اور یہ تو صرف بخار کا قصہ ہوا۔ ہر ہر بیماری کا دیوتا اور اس کی دیوی جدا جدا ہے ہر ایک کی قیام گاہ الگ الگ ہے ہر ایک کے منانے کے ذرائع جدا جدا ہیں کوئی خون سے خوش ہوتی ہے کوئی ہلدی سے کوئی بکری سے کوئی نیب کے پتے سے کوئی زرد رنگ سے الی غیر ذلك من الخرافات اللتی تجدها فی القوم الجاهلین۔

الحاصل اگر واقعی "ہر فرد اپنی نوع کا نمونہ ہوتا ہے" تو اس بنا پر انسانی نوع کا ابتدائی مذہب شرک اور کثرت کی گونا گونی نہیں بلکہ وحدت اور بساطت ہی کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔

بہرحال یہ تو ایک ضمنی بحث تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ مذہب نے تخلیقِ انسانیت کی جو تفصیل بیان کی ہے بلاشبہ اس میں اور نظریہ ارتقا میں اگرچہ ہر بات میں تناقض نہیں تو بعض باتوں میں ضرور اختلاف ہے اور اختلافات تو ایک حد تک کسی نہ کسی تاویل سے ختم بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم اختلاف اسی اثر کا اختلاف ہے جو ان دونوں نظریوں پر آخر میں مرتب ہوتا ہے میرا مطلب یہ ہے کہ نظریہ ارتقا والے جس پیرایہ میں آفرینشِ انسان کی کتھا بچارتے ہیں اس صورت میں انسانی وجود بھی قدرت کی عام تخلیقی کارفرمائیوں کا ایک نتیجہ قرار پاتا ہے۔ گویا جس طرح اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلابات اور عناصر کے تعفن نے حشراتی زندگی چند دن کیلئے بخشی۔ گویا وہ بھی کیچڑ کے کیچوؤں میں کا ایک کیچوا اور رطوبتوں کی ایک جونک ہے جوان ہی کی طرح جیتا مرتا رہتا ہے۔

مشاہدہ اور احتمال واقعہ اور شک یقین اور زرد اٹکل اور اذعان کا یہی تصادم ہے جس کا احساس اگرچہ عام دماغوں کو بعد میں ہوتا ہے اور اس کو محسوس کرکے پھر وہ چکرانے لگتے ہیں لیکن جن بزرگوں کو خالقِ کائنات نے انسانی زندگی کے علمی اور عملی نظام کی تصحیح کے لئے زمین کے ہر حصہ میں زمانے کے ہر قرن میں پیدا کیا اور عقل وحواس سے بالاتر ذرائع سے جو علم اہم انسانوں میں آیا اس میں بالاتفاق "انسانیت کی تخلیق" کو عام مخلوقات کی تکوین سے بالکل جدا کردیا گیا ہے۔

مذہبی یادداشتوں کا جو کچھ بھی بچا کچا حصہ مختلف اقوام اور امتوں کے پاس ہے تقریباً سب میں بالاتفاق انسان کی پیدائش کی نوعیت عام جانوروں کی پیدائش سے علیحدہ نظر آتی ہے۔ بہر حال تقریباً ان تمام بیانات میں یہ امر بطور قدرِ مشترک کے ہے کہ انسان اس طرح نہیں پیدا ہوا کہ جس طرح سب پیدا ہوئے رڈپاتھ نے سچ لکھا ہے۔

> درخت بھی زمین سے اُگتے ہیں اور شاید ابتدائی آدمیوں کے قوائے ظاہری و باطنی پر سب سے زیادہ گہرا اثر نباتات کے نشوونما نے کیا ہوگا ممکن ہے کہ طبعاً ان کو خیال آیا ہو کہ ہم بھی پودوں کی طرح پیدا ہوئے ہیں۔" [1]

لیکن بجائے اس طبعی خیال کے ہر خطہ میں اور ہمارے پاس جس زمانہ تک کے الہامی نوشتے موجود ہیں، ان تمام زمانوں میں "آفرینشِ انسان" کے متعلق جو بات پائی جاتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال میں بجائے وہمی قرائن اور تخیلی رہنمائیوں کے کسی اور ذریعہ کو دخل ہے جو عقل وحواس سے بالاو برتر ہے اور عجیب بات ہے کہ جہاں جہاں یہ عقیدہ

[1] یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ ص ۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اگر اس انسان کی آفرینش کا افسانہ وہی تسلیم کر لیا جائے جو ارتقائی کہتے ہیں تو ہستی کے اس بحر بیکراں میں تمام کیڑے مکوڑوں کیچوے اور جونک درند پرند وغیرہ وغیرہ حیاتی موجودات کے مقابلہ میں انسان کی کیا حقیقت وقیمت رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے سب مٹ سکتے ہیں لیکن خود انسان تو بڑی چیز ہے اس کا بال بھی ان غریبوں میں سے کسی کی ضرورت کیلئے توڑنا ناجائز ہے۔

نظریہ ارتقار کا یہ ایسا غیر شعوری نتیجہ ہے کہ اگر واقعی لوگوں کے دل میں اس خیال کی جانب خدانخواستہ یقین ہی نہیں بلکہ رجحان بھی پیدا ہو جائے تو یقیناً اسی آن میں دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائیگا اور بقول برناڈشا۔

"اشتراکیت کے بھیس میں جس طرح ڈاکوؤں اور چوروں نے انتقام لیا اسی طرح ارتقائیت کا نظریہ حیوانوں کو ان کے چھنے ہوئے حقوق واپس دلائیگا جانور اب انسانوں سے اپنے مظالم کا بدلہ لینگے۔"

کیسا سخت تصادم کتنی عظیم ٹکر ہے جو انسان کے نظریہ خلقت اور نظریہ قیمت میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تصادم کس کا نتیجہ ہے صرف نظریہ افرینش کے ہزارہا احتمالات میں سے ایک احتمال کی تشکیکی تعین کا۔ ایک طرف واقعہ ہے مشاہدہ ہے فطرت کا ناقابلِ انکار فیصلہ ہے کہ انسان کائنات کی تمام چیزوں پر قابو یافتہ ہے اور ہوتا چلا جا رہا ہے وہ پہاڑوں کو توڑتا ہے سمندر کو پھاندتا ہے درختوں کو ڈھاتا ہے، ہاتھیوں کو جس طرح چاہتا ہے اٹھاتا ہے بٹھاتا ہے بلکہ شیروں کو نچاتا ہے سانپوں سے رقص کراتا ہے اور جن جن صورتوں کے ساتھ اس کی بلند پروازیاں بڑھ رہی ہیں سب کے سامنے ہیں اب اس واقعہ اور مشاہدہ کے مقابلہ میں ایک احتمالی شک اور قیاسی تردد محض تخمینہ اور اٹکل سے پیش کیا جاتا ہے جس کے بعد ہی جواب تک سب سے اونچا سب سے قوی سب سے ممتاز سب سے نمایاں، سب کا مالک، سب کا آقا نظر آ رہا تھا یکایک اپنے سارے امتیازات اپنی ساری کرامتوں کو وجود کے اس گھنے جنگل میں گم کر کے زمین کا ایک ایسا رینگنے والا کیڑا بن کر رہ جاتا ہے جسے موسمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بانیِ سلطنت بہمنیہ کا نام و نسب

از ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی پونا

بدقسمتی سے اس زمانہ میں جبکہ علوم کی لہر ہر طرف موجزن ہے اور ہر کس وناکس اس میں اپنا حصہ پیش کرنا چاہتا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ہندی اسلامی تاریخ و ثقافت پر بھی لکھنے والے یا کام کرنے والے زیادہ تر غیر مسلم ہی ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں جو ان زبانوں سے بالکل نابلد ہیں جن میں اسلامی علوم و فنون مدون کئے گئے ہیں اگر کسی نے ان ماٰخذ کے سمجھنے اور حاصل کرنے کا التزام بھی کیا ہے تو کسی اور نیت سے اور یہ بھی سچ ہے کہ ہمارے بہت سی علماء و فضلاء باوجود اس سے بخوبی واقف ہونیکے کما حقہ توجہ نہیں کرتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ بہت سے صحیح واقعات یا واضح تحریریں جو بذاتِ خود کسی وضاحت یا بیرونی و اندرونی شہادت کی محتاج نہیں ہوتیں ان کو اس طرح ملمع اور ابریشمی غلاف چڑھا کر مسخ کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے بلکہ اس مسخ شدہ شکل کو ہم پہچان بھی نہیں سکتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد وہی تحریر اوروں کیلئے تو کیا بلکہ خود ہمارے لئے بھی ایک شمع ہدایت بن جاتی ہے اور ہم لکھنے والے کی اصل حقیقتِ مقصد سے اس وقت چونکنے ہوتے ہیں جب وہ تحریریں ہمارے سامنے ہماری کسی ضرورت کے وقت پیش ہوتی ہیں۔ اگر ہم آج ایسے مضامین یا امور کی ایک فہرست تیار کرنا چاہیں تو بڑی آسانی سے تیار ہو سکتی ہے چنانچہ متذکرہ بالا عنوان بھی اسی فہرست کی ایک کڑی بطور نمونہ مشت از خروار کا مصداق ہے اور ہم نے ارادۃً ان لکھنے والوں کو غیر ضروری اہمیت نہ دینے کی غرض سے ان کے اسماء اور ان کی تحریروں کے ذکر و حوالے سے اعراض کر کے مستقل طور پر ذیل کا مضمون سپردِ قلم کیا ہے تاکہ یہ موضوع مستقل طور پر قارئینِ کرام

© rasailojaraid.com